التعامل

مصنفہ

حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب ٹونکی

رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

حضرت مولانا محمد عبد العلیم ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ

الرحیم اکیڈمی

مؤسس ومدیر

حافظ محمد عابد الرحمٰن بن ڈاکٹر محمد عبد الرحمٰن غضنفر

اے ۶/۹ اکرام آباد لیاقت آباد، کراچی ۷۵۹۰۰

موبائل: ۰۳۲۲-۲۳۹۱۱۸۵ ، ۰۳۲۲-۳۸۶۴۳۹۰

نام کتاب ——— التعامل

مصنف ——— مولانا سید حیدر حسن خان صاحب ٹونکیؒ

ترجمہ ——— مولانا ابو العلاء محمد عبد العلیم ندویؒ

صفحات ——— ۴۰

سن طباعت ——— سنہ ۱۴۱۴ھ

تعداد ——— ۱۰۰۰

پریس ——— احمد برادرس ناظم آباد کراچی

ناشر ——— مولانا عبید اللہ پھور ناظم جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈہ شریف، حیدرآباد سندھ

کتابت ——— عیسیٰ سربازی

قیمت ——— [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مدرسہ مدینۃ العلوم بھینڈہ شریف حیدر آباد عرصہ دراز سے دینی واصلاحی خدمات میں مصروف ہے۔ اس جامعہ میں نشرواشاعت کا باقاعدہ ایک شعبہ قائم ہے جو وقتاً فوقتاً دورِ حاضر کے مسائل اور دیگر ضروریات دین کے مضامین پر کتابیں اور رسائل شائع کرتا رہتا ہے۔ اس شعبہ کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنی بے سروسامانی اور محدود وسائل کے باوجود مختصر وقت میں سندھ کی عظیم دینی وعلمی شخصیت حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تصانیف میں سے تین زیب کتابیں شائع کر چکا ہے۔ اور یہ اس ادارہ کی طرف سے چوتھی کتاب ہے جو الحمد للہ طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کے لیے زرِ تعاون محترم ڈاکٹر حافظ محمد عبد المغیث صاحب حفظہ اللہ نے عنایت فرمایا جس کے ہم تہہ دل سے مشکور ہیں اور ان کی فلاحِ دارین کے لیے دعا گو ہیں، جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء

رب تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیشہ مزید توفیق، اخلاص و استقامت عطا فرمائے اور قارئین سے بھی دعاء کی درخواست ہے۔ دورانِ مطالعہ اگر کوئی غلطی وغیرہ نظر آئے تو ہمیں مطلع فرمائیں۔ فقط

عبید اللہ پنہور

ناظم اعلیٰ جامعہ مدینۃ العلوم بھینڈہ شریف حیدر آباد سندھ

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

حضرت مولانا محمد عبد العلیم ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ہر کسے را کار خویش وہر کسے را یار خویش
صیرفی بہتر شناسد قیمتِ دینارِ خویش

محمد عبد العلیم نام، ابوالعلاء کنیت، اور آغا میاں عرف تھا۔ محمد عبد العلیم ۷ر دسمبر ۱۹۲۲ء میں جے پور میں پیدا ہوئے ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی یہیں ہوئی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

محمد عبد العلیم بن محمد عبد الرحیم بن محمد بخش بن بلاقی بن چراغ محمد بن ہمت[1] ہے۔

ہمارے دادا محمد بخش کے تین بیٹے (۱) محمد عبد الغنی (۲) محمد عبد الکریم (۳) محمد عبد الرحیم تھے اور تین ہی بیٹیاں تھیں۔ محمد عبد الکریم حافظ وخوشنویس اور تاجر تھے۔ ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں

---

[1] ہم اصلاً میواتی ہیں، ہماری گوتھ کچھواہا ہے، ریاست جے پور وکشمیر اور جام نگر کے مہاراجوں کی بھی یہی گوتھ ہے۔ ہمارے اجداد میوات سے منتقل ہو کر ریاست جے پور میں آباد ہو گئے اور تجارت کرنے لگے۔

ہمارے اجداد میں ہمت صاحبؒ اور ان کے فرزند چراغ محمدؒ جواہرات کا کاروبار کرتے تھے۔ خوش حال تھے۔ ابھی بلاقی جی آٹھ برس کے تھے کہ چراغ محمد صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور سرپرستی سے محرومی کے باعث موروثی مکانات کو نقصان پہنچا پھر موروثی بھی رفتہ رفتہ بکنے لگے جو باقی رہے اُن میں ہمارا خاندان تقسیم ہند تک آباد رہا۔

لاولد فوت ہوئے۔ بھائیوں کی اولاد کی یہی تربیت کیا کرتے تھے۔

محمد عبدالرحیم صاحب نے خاندان میں سب سے پہلے اپنی اولاد کو دینی تعلیم میں لگایا اور جہاں تک ہو سکا عربی پڑھوائی اور دینی راستہ پر ڈالا (محقق العصر مولانا) محمد عبدالرشید (نعمانی) مدظلہ کو باقاعدہ دینی تعلیم دلوائی۔ اور پھر مولانا محمد عبدالعلیم ندوی صاحبؒ کو بھی اسی راستہ پر لگایا۔ ابتدائی تعلیم جے پور میں ہوئی، اسی کے ساتھ حافظ جی ابا (تایا مرحوم) اور ابا میاں سے خوشنویسی کی مشق بھی کرتے رہے (یہ دونوں حضرات جے پور کے نامور خطاط تھے) یہاں تک محنت کی کہ اس فن میں ملکہ حاصل ہو گیا۔

۱۹۳۵ء میں ابا میاں نے مزید تعلیم کے لیے انہیں ڈابھیل بھیجدیا۔ اس وقت بڑے بھائی (مولانا محمد عبدالرشید نعمانی) ندوۃ العلماء لکھنؤ میں شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں صاحب ٹونکیؒ سے علم حدیث کی تحصیل کر رہے تھے۔ اس کے ایک سال بعد جب مولانا نعمانی مدظلہ ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہو کر آئے اس وقت انہیں بھی ندوۃ العلماء منتقل کر دیا۔ اور اس طرح ہمارا خانوادہ دینی علوم سے آراستہ ہونے لگا۔

آغا بھائی نے ندوۃ العلماء میں درجہ عالم تک تعلیم حاصل کی پھر اورنٹیل کالج لاہور سے مولوی فاضل کیا۔ ۱۹۴۲ء میں حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہاں مجمع المصنفین میں کام کرتے رہے۔

۱۹۴۳ء میں شادی ہوئی اور جے پور میں جواہرات کا کام شروع کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں جے پور سے کراچی آ گئے۔ یہاں "الحصن الحصین" علامہ ابن الجزریؒ کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ کیا اور "القول المتین" کے نام سے اس کی شرح لکھی جسے نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب شائع کرتا رہا ہے۔ یہ مولانا ندویؒ کا مہتم بالشان کارنامہ ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے اس ترجمہ و شرح کو قبولیتِ عام عطا فرمائی کہ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

ماشاء اللہ ان کے تین لڑکیاں اور چھ لڑکے ہیں۔ آغا بھائی ۱۹۵۵ء میں کراچی سے حیدرآباد منتقل ہو گئے اور لطیف آباد میں مستقل سکونت اختیار کی، اولاد کو اعلیٰ تعلیم

دلائی اور تین بیٹوں کو حافظِ قرآن بنایا۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ آخری ایام میں پھر علم کی خدمت میں مشغول ہوگئے۔

مولانا عبید اللہ پھور ناظم جامعہ مدینۃ العلوم[1] بھینڈہ شریف مضافاتِ حیدرآباد سندھ کی درخواست اور بے حد اصرار پر محدث وفقیہِ سندھ علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس اللہ سرہ کے قلمی وغیر مطبوعہ رسائل وکتب کا اردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ جن میں "فرائضِ اسلام" اور "کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین" کے تراجم مترجم کی زندگی میں شائع ہوکر اہلِ علم سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

---

[1] بھینڈہ حیدرآباد سندھ سے ۷ میل راہو کی اسٹاپ میرپور خاص روڈ پر جانبِ جنوب ۲ میل پر واقع ایک چھوٹا سا پرانا قصبہ ہے۔ اس کے چاروں جانب لہلہاتے کھیت اور سبزہ زار ہے۔ یہاں میاں احمد صاحب سکونت پذیر تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے دل میں فروغِ علم اور خدمتِ دین کا جذبہ بیدار کیا، اسی جذبہ کے تحت مولانا موصوف نے ۱۳۸۱ھ میں یہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کا نام مدینۃ العلوم رکھا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے موصوف کے اخلاص وللہیت سے اس مدرسہ کو قبولیت عطا فرمائی۔ طلباء حصولِ علم کی خاطر جوق درجوق آنے لگے اور علم حاصل کرنے کے بعد خدمتِ علم وتبلیغِ دین میں مصروف ہیں۔ مولانا موصوف کے اخلاص وللہیت کے باعث یہاں بہت سے فضلاء وعلماءِ کرام نے درس وتدریس کی مسند کو رونق بخشی۔ جن میں چند بزرگ حضرات کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

فاضلِ اجل حضرت مولانا عبداللہ کدھر والے، مولانا عبدالحق ربانی صاحب، مولانا محمد نور صاحب عیسیٰ خیل، مولانا علی محمد درس، مولانا محمد خلیل ربانی صاحب، مولانا محمد انور شاہ صاحب ہزاروی اور خانوادۂ علمی کے چشم وچراغ مفتی برادران حضرت مولانا مفتی خلیل احمد وشیخِ طریقت مولانا مفتی رشید احمد ومولانا مفتی جمیل احمد صاحبان لدھیانوی ادام اللہ فیوضہم الجاری۔ ان حضرات میں اکثر فضلاء دیوبند ہیں۔

ان اساتذۂ کرام کی درس وتدریس وتحقیق سے علماء وطلباء سندھ میں خوب شہرت ہوئی۔ اور یہی شہرت مدرسہ کے قیام ودوام کا باعث بنی۔ طلباء دیار وامصار (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ رسالہ "التعامل" ان کے استاد و شیخ حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب قدس سرہٗ کی تالیف ہے اور یہ ابھی تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ اس رسالہ کو اس سے قبل محقق العصر مولانا نعمانی مدظلہ نے "ما تمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ" میں نقل کر دیا ہے، اس کا ترجمہ کیا اور "تنقیح الکلام فی النہی عن القراءۃ خلف الامام" تالیف علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس اللہ سرہ کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمے ان کے آخری ایام کی یادگار ہیں۔ افسوس ہے موت نے مہلت نہ دی ورنہ کچھ اور کام کر جاتے

برادر محترم حبِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وافر حصہ رکھتے تھے اور ہمیشہ مدحِ صحابہ میں رطب اللساں رہتے تھے ۔

فضائلِ درود شریف[1] پر مختصر، جامع و مستند رسالہ کی تالیف اور ریڈیو پاکستان حیدرآباد

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سے آ آکر ان حضرات کے علم و فضل سے مستفید ہوتے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، اس کا زمانہ شاہد ہے۔

اس جامعہ کے بانی اور پہلے مہتمم مولانا میاں احمد صاحبؒ تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور مزید درجات بلند فرمائے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا محمد عالم صاحبؒ مہتمم بنائے گئے۔ موصوف عالمِ باعمل تھے، موصوف بھی اپنے استاذِ محترم کی طرح جامعہ کی ترقی کے لیے تادمِ واپسیں کوشاں رہے۔ اور طلباء وعلماء و اساتذہ کے استفادہ کے لیے ایک اچھا کتب خانہ بہم پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو بھی قبول فرما کر ترقیٔ درجات کا باعث بنائے۔ آمین۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

---

[1] فضائلِ درود۔ یہ رسالہ ۱۹۵۸ء میں جمعیۃ الاحناف کے شعبۂ تصنیف سے شائع ہوا، اب نایاب ہے۔ لہٰذا برائے ایصالِ ثواب شفیق اکبر کے صاحبزادے ڈاکٹر حافظ محمد عبد المغیث سلمہ اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ شائع کر دیا ہے، شائقین اس پتہ سے مفت طلب فرمائیں :

ڈاکٹر حافظ محمد عبد المغیث ایم بی بی ایس
زبیر ہاسپٹل، الفضل ٹاؤن، پھلیلی۔ حیدر آباد سندھ

کے پروگرام "مشعلِ راہ" میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حیاتِ طیبہ پر تقاریر اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

آغا بھائی لطیف آباد حیدرآباد کی ہر دلعزیز شخصیات میں سے تھے اور علاقہ کے فلاحی و اصلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے

آپ نے متعدد مساجد و مدارس کی بنیاد رکھی جن میں دارالعلوم جامع مسجد لطیف آباد نمبر ۱ قابلِ ذکر ہے جس کے شعبہ حفظ قرآن سے سینکڑوں حفاظِ کرام اپنے سینوں میں وحی الٰہی محفوظ کر چکے

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

مولانا محمد عالم صاحبؒ کے انتقال کے بعد اب ان کے صاحبزادے مولانا عبدالخالق صاحب زید مجدہ اس کے مہتمم ہیں اور مولانا عبیداللہ منصور مدظلہ جامعہ کے ناظمِ اعلیٰ ہیں۔ مولانا کی نظامت میں جامعہ مزید ترقی کی طرف گامزن ہے اور کتب خانہ میں بھی کافی وسعت ہو چکی ہے اور اضافہ ہو رہا ہے یہاں تک کہ اب اہلِ خیر حضرات کے تعاون سے ایک علیحدہ کتب خانہ کے لیے عمارت تعمیر کی گئی ہے جس میں پچاس ہزار کتابیں رکھنے کی گنجائش ہے۔ یہاں بعض نادر کتابیں اور قلمی نسخے موجود ہیں جو قابلِ دید ہیں۔

اب کچھ عرصہ سے ان دونوں حضرات نے جامعہ میں شعبۂ تصنیف و تالیف بھی قائم کیا ہے جس سے الحمدللہ کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جیسا کہ آپ خود مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

میں بھی ۱۹۵۰ء ـ ۱۹۵۱ء میں اس مدرسہ کا طالب علم رہ چکا ہوں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کو ان حضرات کے اہتمام و انصرام میں مزید وسعت عطا فرمائے اور اس جامعہ سے دین متین کی خدمت کرنے والے علم و عمل کے پیکر بن کر نکلیں جن سے اصلاحِ مسلمین ہو۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اضافہ از: ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن غضنفر
غفرلہ ولوالدیہ
۷ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

ہیں۔ علاوہ ازیں اسی مدرسے سے منسلک فلاحی ہسپتال قائم فرمایا جو تاحال خدمتِ خلق میں
مصروف ہے۔

طریقِ سلوک میں سب سے پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں صاحب
رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے۔ شیخ الحدیث، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفۂ خاص
تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کے انتقال کے بعد امیرِ تبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلوی سے تعلق
قائم کرلیا اور جب چھوٹے حضرت جی بھی عالمِ بالا کی طرف رحلت فرما ہوئے اس وقت
حضرت شاہ عبد العزیز رائپوریؒ سے تجدیدِ بیعت کی اور آخر دم تک اسی طریق پر گامزن رہے
تبلیغی جماعت سے بھی وابستہ رہے، حتی المقدور وقت بھی لگایا۔ یہ سلسلہ اسی طرح
تادمِ زیست جاری وساری رہا۔

اسی کے ساتھ مصائب وآلام اور دنیوی تفکرات سے بھی ہمیشہ دوچار رہے۔
اس کے باوجود صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، حرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ آیا۔ بڑے
صابر وشاکر، متحمل مزاج اور قناعت پسند تھے۔

ہم بھائیوں میں یہ حافظِ قرآن مجید بھی تھے اور یہ ان کی امتیازی خصوصیت تھی
کثرت سے تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے۔

چار شنبہ ۶ صفر ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۷ء کو بعد نمازِ عشاء اپنے اوراد و وظائف میں مشغول تھے
کہ اچانک سانس کا دورہ پڑا، موصوف کی اہلیہ نے ان کے برخوردار سعادت آثار ڈاکٹر
حافظ محمد عبد المغیث کو کمرے میں بلایا، صاحبزادے نے مقررہ دوا دی اور مزید مرض کی شدت
محسوس کرتے ہوئے انجکشن تیار کیا ابھی وہ انجکشن لگا بھی نہ پائے تھے کہ وقتِ موعود
آپہنچا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر کرتے ہوئے بستر پر لیٹ گئے اور اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ
وَارْحَمْ کہتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کردی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

نمازِ جنازہ میں علماء، صلحاء اور عوام وخواص کا جمِ غفیر تھا۔ حضرت مولانا محمد
عبد الرشید نعمانی مدظلہ العالی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ شانہ مغفرت فرمائے

اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور قربِ خاص سے سرفراز فرمائے۔ ذاکر و شاغل شب بیدار و تہجد گذار، سورۂ مزمل اور حزب البحر الشاذلی کے عامل تھے اللہ تعالیٰ عزّ اسمہ سے عجز و انکساری سے جم کر دعا مانگنے والے تھے۔

ہماری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ان تراجم کو حُسنِ قبول عطا فرماکر ذخیرۂ آخرت بنائے آمین۔

ان کے اٹھ جانے سے اب ہم چار ہی بھائی رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین۔

ماخوذ از تذکرۂ رحیمی

از حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی مدظلہ

فاضلِ دیوبند۔ ایم اے۔ ایم۔ ایل۔ ایس۔ پی ایچ ڈی

ان کی تاریخِ وفات مندرجہ ذیل الفاظ سے نکلتی ہے:

معدنِ حیا مولوی عبد العلیم ندوی

۸ ۰ ۱۴ ھ

ہمہ جا ۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

۸۷ ۶ ۱۹

آج چھ صفر ـــ چودہ سو آٹھ ہجری بروز چہار شنبہ

۸۷ ۶ ۱۹

از کلیم حجازی

مولانا حيدر حسن الطوكى

الشيخ الفاضل حيدر حسن بن أحمد حسن بن غلام حسين خان الياغستانى الأفغانى الطوكى صنو الشيخ محمود حسن صاحب المصنفات ولد حوالى سنة إحدى وثمانين ومائتين وألف، ونشأ ببلدة طوك، وقرأ العلم على إخوته محمد حسن ومحمود حسن وعلى محمد حسن خان ومولانا عبد الكريم ببلدته، ثم سافر إلى لاهور ولازم الشيخ غلام أحمد النعمانى اللاهورى مدة من الدهر، وأخذ عنه فى المدرسة النعمانية، ثم أخذ الحديث عن شيخنا العلامة حسين بن محسن الأنصارى اليمانى وشيخنا المحدث نذير حسين الدهلوى، ورجع إلى بلدته فولى التدريس فى المدرسة الناصرية.

وله مشاركة جيدة فى الفقه والأصول والكلام والحديث، يدرس ويفيد مع عفاف وعزة نفس، واشتغال بمحاسبة النفس، وتفويض للأمور، وتوكل على الله سبحانه وقناعة باليسير، [استقدمه مؤلف هذا الكتاب لما يعلم من غزارة علمه ورسوخه فى الدين وملكته القوية فى التعليم إلى لكهنؤ، ليكون أستاذا للحديث فى «دار العلوم» فاعتذر مرارا، إيثارا للخدمة التى يقوم بها فى بلده، وما يفتح الله به عليه من رزق، ثم أجاب طلبه، لما بينه وبين الداعى وعشيرته من الود القديم، وبدأ يدرس فى دار العلوم من ذى الحجة سنة تسع وثلاثين وثلاث مائة وألف، ومكث فى دار العلوم نحو سبع عشرة سنة، يدرس كتب الصحاح ويخدم الحديث الشريف تدريسا وتحقيقا، وكتابة وتعليقا، وتربية وتخريجا، عاكفا على الدرس والإفادة، والبحث والمطالعة، منقطعا إلى ذلك بقلبه وقالبه، لايعرف اللذة فى غيره، ولا يتصل بالدنيا وأسبابها، قانعا باليسير، زاهدا

---

(١) لم نعثر على سنة وفاته (الحسنى).

فى الكثير، مؤثرا للطلبة على نفسه وعياله، ولإجهاد النفس، وتحمل التعب فى الدرس والمطالعة على راحته، لايدخر مالا، ولا يطمع فى مفقود، ولا يطمح إلى جاه أو منصب، همه ولذته من العيش أن يعثر على كتاب جديد، أو بحث مفيد، أو أن يجد حجة لمذهبه الذى ينصره، وولى نظارة «دار العلوم» فى ربيع الأول سنة إحدى وخمسين وثلاث مائة وألف، واستقام على ذلك جامعا بين التدريس والإدارة بجد واجتهاد، وحسن قصد وإخلاص، حتى دعته دواعى الشوق إلى وطنه، فاعتزل الخدمة فى «دار العلوم» لثلاث خلون من ذى الحجة سنة ثمان وخمسين وثلاث مائة وألف. وعاد إلى مسقط رأسه، واشتغل بتدريس الحديث الشريف والعلم النافع، مع زهد وعبادة، وذكر وتلاوة، حتى جاءه الطلب من ربه.

كان الشيخ حيدرحسن من العلماء الربانيين والمعلمين المربين، بايع الإمام إمداد الله التهانوى المهاجر إلى مكة المكرمة فى شبابه عندما سعد بالحج والزيارة وأجازه الشيخ، واستقام على طريقته وأوراده إلى آخر أيام حياته، وكان عابدا أواما، يطيل القيام فى صلاة الليل ويكثر القراءة ويطيل السجود، ويكثر الدعاء والابتهال، وكان غزير الدمعة، كثير الخشوع، طويل القنوت فى الصلاة، يصلى بالناس بالغلس ويطيل القراءة، وكان يرى أن الأفضل والأصح أن يشرع فى الغلس ويختم بالإسفار، وكان يقرأ القرآن بلحن شجى، وتجويد وترتيل، وكانت له اليد الطولى فى القراآت العشر، يقرأ فى الشاطبى قراءة تحقيق وإتقان، ويعنى بتصحيح القرآن عناية عظيمة، ويحذق الفن كأساتذته، أسس فى بلده مدرسة خاصة بتعليم القرآن، واستقدم لها الأساتذة الكبار من «لكهنؤ».

وكان متضلعا من العلوم العقلية، درسها دراسة إتقان وإمعان، راسخا فى النحو وعلوم البلاغة، بارعا فى الهيئة والهندسة، وعلم «الأصطرلاب» يدرس كتبه الكبار بمهارة وقوة، وكان متصلبا فى المذهب الحنفى، شديد الحب والإجلال للإمام أبى حنيفة، عظيم الانتصار له مع إجلال للأئمة الثلاثة، إلا أنه قد تعتريه الحدة الأفغانية والغيرة المذهبية، فينتقد الشافعية انتقادا شديدا، ويتكلم عن الإمام البخارى وجامعه، مع اعترافه بفضله واشتغاله بتدريسه.

وكان منهجه فى تدريس الحديث منهجا علميا، هو أشبه بمنهج المحدثين منه بمنهج الفقهاء، يذكر المذاهب، ويذكر أدلتها وما يحتج به أصحابها من الحديث، ولا يقصر فى ذلك، ثم يحاكم فيها محاكمة مبنية على علم الأصول والرجال، أكثر من الدلائل المنطقية والتعليلات العقلية، وكان طريقه فى ذلك طريق العلامة محمد بن على الشوكانى فى «نيل الأوطار» وكان من أشياخه، وكان مؤثرا لكتب علماء اليمن كالعلامة السيد محمد بن إبراهيم الوزير والأمير محمد بن إسماعيل الصنعانى والعلامة المقبلى وغيرهم، وكان مع انتصاره للمذهب الحنفى كثير العطف على تلامذته من أهل الحديث، شديد الود لأصدقائه الذين يذهبون هذا المذهب.

وكان غاية فى التواضع، ولين العريكة ومجاراة الطلبة والفقراء، لا يتميز عنهم بشىء، ولا يترفع بعلم أو زهد، يؤانسهم ويستأنس بهم ويشاركهم فى أشغالهم، وكان مع ذلك شديد الغيرة، أبى النفس يثور إذا شعر باهانة لنفسه أو استخفاف لدينه، متخشنا فى ملابسه، ملتزما للعمامة على الطريقة

الأفغانية . وكان ربع القامة ، أحمر اللون ، منور الشيبه ، تلوح على وجهه آثار السهر و العبادة ، من رآه أجله و أحبه .

له رسائل قليلة فى بعض المسائل الخلافية ، منها : جزء فى رفع اليدين ، وجزء فى بحث الصاع ، و جزء فى مسألة الحجاب الشرعى .

كانت وفاته فى الخامس عشر من جمادى الأولى سنة إحدى و ستين و ثلاث مأة و ألف ، و دفن فى المقبرة المعروفة « بموتى باغ » بطونك] .

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحَمدُ للهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ علیٰ من لا نبیَّ بَعدَہٗ وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن نحا نحوہ ۔

إعلم أن العمل بالعقائد والأحکام الشرعیۃ علی وجھین ، الأوّل بالقلب ، أعنی العلم بہ کالایمان بتوحیدہ وصفاتہ سبحانہ وتعالیٰ وکالعلم بالصوم، والعلم بالمنھیات والمحرّمات ، والعلم بالفرائض والواجبات وغیرھا ، إنہ عمل القلب داخل تحت قولہ تعالیٰ : " فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ " وقولہ صلی اللہ علیہ وسلّم " من سنّ سنۃ الخ " الحدیث وھذا الوجہ من العمل یظھر باللسان ویشملہ قولھم " التصدیق

عقائد واحکام پر عمل کرنے کی دو صورتیں ہیں :

اول دل سے ان کا جاننا جیسے اللہ کی وحدانیت ، اس کی ذات وصفات کو ماننا اور یقین کرنا ، روزے کا علم ، منہیات ومحرمات کی معرفت ، فرائض و واجبات کا جاننا کیونکہ یہ قلب کا عمل ہے ، اللہ جل شانہ کے اس قول سے ثابت ہے : "جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا ، اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی اس کا اس کو پتہ چل جائیگا " اور ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "جس شخص نے اچھا طریقہ اختیار کیا اس کے لئے اس کا اجر ہے ، اور جو اس طریقہ پر عمل کریگا ، اُس کا اجر بھی بغیر کچھ کم کئے ہوئے اچھا طریقہ اختیار کرنے والے کو ملے گا ۔"

اسی طرح جس نے بُری راہ اختیار کی اس کی سزا اس کو ملیگی اور جو اس پر عمل پیرا ہوگا اس کی بھی بغیر کچھ کم کئے ہوئے ، بری راہ اختیار کرنے والے کو اس کی سزا ملے گی

عمل کی یہ صورت زبان سے ظاہر ہوتی ہے ، اور ان کے اس قول میں شامل

بالجنان واقرار باللسان وعمل بالأركان ۔

والوجه الثانی بالجوارح کالصلاة والزکاة والحج والصوم وغیرها، فانها تؤدّی بالجوارح ۔ وهٰذا العمل بالوجهین المذکورین توارث فی الأمّة أمّة الإسلام عملاً وروایة قال النبی صلی الله علیه وسلم: لاتزال طائفة من أمتی ظاهرین علی الحق لا یضرّهم من خالفهم (الحدیث) (بخاری وغیره)

وقال أیضاً لاتزال طائفة من أمتی یحمل هٰذا العلم من کل خلف عدوله (مشکوٰة)[2]

ہوتی ہے" دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا، اعضاء وجوارح سے عمل کرنا ۔

دوسری، اعضاء وجوارح سے عمل کرنا جیسے نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ وغیرہ، یہ اعضاء وجوارح سے ادا کی جاتی ہیں

یہ عمل کی دونوں مذکورہ صورتیں اُمتِ مسلمہ میں عملاً اور روایۃً ورثہ میں چلی آرہی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا کسی مخالفت کرنے والے کی مخالفت اس کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی (بخاری وغیرہ)[1]

یہ بھی فرمانِ نبوی ہے "میری امت کا ہمیشہ آنے والا ایک نیک وصالح طبقہ اس علم کو حاصل کرتا رہے گا" جو حد سے بڑھنے والوں کی تحریف، باطلوں کے جھوٹ وغلط بیانیاں جاہلوں کی تاویلات اس سے دور کرتا رہے گا ۔

---

[1] حدثنا عبید الله بن موسیٰ عن اسمٰعیل عن قیس عن المغیرة بن شعبة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال "لاتزال طائفة من أمتی ظاهرین حتی یأتیهم أمر الله وهم ظاهرون" بخاری کے ترجمۃ الباب میں "لاتزال طائفة من أمتی ظاهرین علی الحق" ہے "لا یضرهم من خالفهم" نہیں ہے، ص ١٠٨٧ ج ٢ بخاری

[2] یہ حدیث مشکوٰۃ میں اس طرح ہے: عن ابراهیم بن عبد الرحمٰن العذری قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یحمل هٰذا العلم من کل خلف عدوله الخ ص ٩٩ ج ١

وفی کل قرن من أمتی من یجدد لها دینها ویقال له التعامل

وهو حجة شرعیة عند الإمام أبی حنیفة و الإمام مالك ،

ولذلك قال إمامنا رحمه الله أن الراوی إذا روی النص وعمل

بخلافه فالحجة عنده بالعمل لا بالنص بل النص عنده مؤول ،

وقال الامام مالك فی مثل هذه الروایات إن عمل أهل المدینة

عندی حجة والروایة مؤولة -

ثم بعد ذلك إعلم أن من المعلوم ان فی عهد النبی صلی الله

علیه وسلم وعهد الصحابة رضی الله عنهم لم یکن دون تعالیم النبی

صلی الله علیه وسلم فی تدوین و تصنیف سوی کتاب الله سبحانه بل

اور ہر قرن میں میری امت میں ایک مجدد ہوتا رہے گا جو اس دین کو صحیح حالت پر قائم کرتا رہے گا۔ اسی کو تعامل کہا جاتا ہے، اور تعامل امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک دلیل شرعی ہے، اسی بنا پر ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں راوی جب نص روایت کرے اور خود اس کے خلاف عمل کرے تو ان کے نزدیک عمل حجت ہوگا، نص حجت نہیں ہوگی بلکہ نص کی کوئی تاویل کرلی جائے گی۔

امام مالک ان جیسی روایات کے متعلق فرماتے ہیں: "میرے نزدیک اہل مدینہ کا عمل حجت و دلیل ہے، اور روایت کی تاویل کی جائے گی۔

اس کے بعد یہ بھی جان لیں اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تصنیف وتالیف کی شکل میں مدون نہیں ہوئی تھیں، صرف قرآن پاک ہی تھا،

إنما كانوا يفعلون بما علمهم النبي صلى الله عليه وسلم سنة في دين الإسلام من العقائد والأحكام، ويحفظونه في صدورهم ولما فتح العراق في عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه ودخل أهل بلاد العراق في الاسلام كان أرسل رضي الله عنه عبد الله بن مسعود رضي الله عنه إلى أهل العراق لتعليم الإسلام لما كان أعرف بالسنة واشبههم به صلى الله عليه وسلم، فكان ابن مسعود رضي الله عنه علمهم الإسلام والسنة مما كان يحفظ في صدره ويعمل به وصار تعليمه وعمله شائعاً في أهل العراق وقد كان أهل العراق يختلفون في المواسم إلى المدينة المنورة ومكة المكرمة وكذا اهل الحجاز من الصحابة رضي الله عنهم إلى العراق، ومنهم عمر رضي الله عنه الذي

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وہی کرتے تھے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کا طریقہ سیکھتے تھے، خواہ وہ عقائد ہوں یا احکام اور اسی کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں جب عراق فتح ہوا اور باشندگانِ عراق اسلام سے مشرف ہوئے، حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو دین اسلام اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سب سے زیادہ جاننے والے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ ابن مسعودؓ نے ان کو اسلام اور سنتِ نبوی کی تعلیم دی اور جس پر وہ عمل پیرا تھے وہ عمل سکھلایا، آپ کا عمل اہل عراق میں ظاہر و شائع تھا۔ باشندگانِ عراق کی حج کے زمانہ میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں آمد و رفت تھی، اسی طرح وہ صحابہؓ جو حجازِ مقدس میں رہائش پذیر تھے عراق آمد و رفت رکھتے تھے۔ ان ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے

أرسل ابن مسعود رضی الله عنه فشاهدوا أهل العراق يصلون
ويصومون كما علمهم ابن مسعود رضی الله عنه سنة النبی صلی الله
عليه وسلم، ولم يُرَوْ ولم يؤثر عن أحد من الصحابة، لا عن عمر رض
ولا عن غيره رضی الله عنهم أنه زاحمه فی تعليم ابن مسعود رضی الله عنه
أنه علّمهم خلاف سنة النبی صلی الله عليه وسلم فی الصلاة وغيرها
من الأحكام، وقد كان أصحاب النبی صلی الله عليه وسلم يبعد عنهم
كل البعد ان يروا احدًا يفعل خلاف السنة ثم يسكتوا عنه۔

وهذا أمر لا ريب فيه لا فی تعليم ابن مسعود أهل العراق ولا
فی شيوع هذا التعليم فی الصحابة لأن التعليم لم يكن مستورًا قط،

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، ان سب حضرات نے باشندگانِ
عراق کو نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور دیگر ارکانِ اسلام ادا کرتے دیکھا، جس طرح
ابن مسعودؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ انہیں سکھلایا تھا، مگر نہ حضرت عمرؓ، نہ ان
کے علاوہ کسی اور صحابی کو دیکھا گیا نہ سُنا گیا جس نے ابن مسعودؓ کی تعلیم پر نکتہ چینی کی ہو،
کہ انھوں نے باشندگانِ عراق کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف تعلیم دی ہے
خواہ نماز ہو یا دوسرے احکام، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم
کی ذات گرامی سے یہ بات ناممکن تھی کہ وہ کسی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ
کے خلاف عمل کرتے دیکھتے اور خاموش رہتے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے نہ اہل عراق کو ابن مسعودؓ کے تعلیم دینے میں نہ اس تعلیم
کے صحابہ میں ظاہر و باہر اور شائع ہونے میں، کیونکہ یہ تعلیم قطعاً پوشیدہ نہیں تھی،

ولا في عدم رواية الانكار على هذا التعليم عن أحد من الصحابة فكان إجماع الصحابة على هذا التعليم إجماعا سكوتيا كالاجماع على جمع القرآن. ثم بعد ابن مسعود رضي الله عنه جلس مكانه صاحباه علقمة والأسود يعلّما نهم تعليمه رضي الله عنه فكذا لم ينكر عليهما في هذا التعليم ولا على العمل به وهلم جرًا. إلى أن جاء عهد أئمة العراق ابن أبي ليلى وابن شبرمة ومن سواهما من المعروفين بالفقه والفتيا، واطلعوا على اختلاف الروايات والأحاديث عن النبي صلى الله عليه وسلم منها ما يخالف تعليم ابن مسعود رضي الله عنه والعمل به فعند ذلك لجأ أهل العلم وجعلوا المعيار في نقد الروايات والأحاديث المختلفة العمل أعني عمل السلف الصالح جماهير علمائهم فان

نہ کسی صحابی سے اس تعلیم کے عدم (نہ ہونے) پر انکار ثابت ہے، اس تعلیم پر صحابہ رضؓ کا اجماع سکوتی ہے، جس طرح قرآن کے جمع کرنے پر اجماع ہے۔

ابن مسعودؓ کے بعد ان کی مسندِ درس پر ان کے شاگرد علقمہؒ اور اسودؒ جلوہ آرا ہوئے جنہوں نے باشندگانِ عراق کو ان کی تعلیم سے آراستہ و مزین کیا، اسی طرح ان کی تعلیم اور عمل پر بھی نکیر نہیں کی گئی اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا۔ تا آنکہ ائمہ عراق ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اور ان کے علاوہ دیگر حضرات جو فقہ و فتوے میں مشہور و معروف تھے، ان کا زمانہ آگیا۔ اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و روایات کے باہم اختلاف سے واقف ہوئے، جو ابن مسعودؓ کی تعلیم اور عمل کے مخالف تھیں، اس وقت اہل عراق نے متفقہ طور پر احادیث مختلفہ اور روایات متفرقہ کی کسوٹی علماء سلف صالحین کا عمل قرار دیا، کیوں کہ ....

الأئمة قد شاهدوا أن راوي الحديث يروي الحديث ولا يعمل به أو يُروى عنه الحديث ويُروى العمل خلافه فحينئذ تأولوا فى الحديث وعملوا بعمل الراوي وذلك لأن علماء الصحابة رضي الله عنهم وكذا التابعين جماهيرهم يبعد عنهم كل البعد أن يرووا الحديث ولا يعملوا به فإن العمل بخلاف الحديث يسقط العدالة فإنهم كانوا في خير القرون الذين ورد في شانهم وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ الآية وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔ الآية .

ائمہ نے دیکھا راوی حدیث کی روایت کرتا ہے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتا، یا اس سے حدیث روایت کی جارہی ہے اور اس کا عمل اس کے خلاف بیان کیا جارہا ہے، ایسی صورت میں انہوں نے حدیث کی تاویل کی اور راوی کا عمل اختیار کرلیا۔ وہ اس وجہ سے کہ علماء صحابہؓ اور اسی طرح تابعینؒ سے ممکن نہ تھا کہ حدیث روایت کریں اور اس پر عمل پیرا نہ ہوں۔ کیونکہ حدیث کے خلاف عمل کرنے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے حالانکہ وہ خیر القرون میں تھے، جن کی شان میں ارشادِ باری ہے، "جو لوگ قدیم الاسلام ہیں، سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ہیں دین کی مدد و نصرت کرنے والے ہیں اور جو اُن کے نیکیوں کے ساتھ پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔"

"اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے جبکہ اس پر سیدھی راہ کھل چکی اور سب مسلمانوں کے خلاف راستہ پر چلے، تو ہم اس کو اسی طرف حوالہ کردیں گے جو اس نے اختیار کی ہے، اور اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔"

فكنّا مأمورين باتباعهم و تقليدهم في الدين والعمل بالسنّة ولذلك وضع اهل العراق أئمتهم ضابطة انه إذا ثبت عن الراوى حديث والعمل خلافه لا يعمل بالحديث بل يعمل بالعمل وكذا الامام مالك رضى الله عنه إنما يعمل في الاختلاف في الحديث بعمل أهل المدينة ۔ وقد كان السلف اهل القرن الأول من الصحابة والتابعين يروون كثيرا من الاحاديث عن النبي صلى الله عليه وسلم ولم يعملوا به ولم يوثر عنهم العمل بها نحو حديث ابن عباس رضى الله عنهما انه جمع النبي صلى الله عليه وسلم في المدينة من غير مطر، وكذا احاديث الصلوٰة في مرض النبي صلى الله عليه وسلم أنه أمر أبا بكر رضى الله عنه أن يصلي بالناس

ہم دین وسنت پر عمل کرنے میں ان کے تابع اور پیرو ہیں، اسی بناء پر ائمہ اہل عراق نے ضابطہ مقرر کیا جب راوی سے کوئی حدیث ثابت ہو اور اس کا عمل اس کے خلاف پایا جائے تو حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ عمل کو معمول بہ بنائیں گے، یہی طریقہ امام مالکؒ کا ہے، احادیث کے اختلاف کی صورت میں اہل مدینہ کے عمل کو معمول بہ بنائیں گے ۔ قرن اول کے سلف صحابہؓ وتابعین بہت سی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے، اور ان کا ان پر عمل بیان نہیں کیا گیا ہے، جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں بغیر بارش نمازوں کو جمع کیا" اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الموت کی نماز کہ "ابوبکر کو حکم دو لوگوں کو نماز پڑھائیں"

فقام بهم یصلی إذجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فأمّ واقتدیٰ به أبو بکر واقتدی الناس بأبی بکر فکأنه صار الامامة للرجلین بالتحریمتین، فهٰذا الذی یدل علیه الحدیث ولم یعمل به أحد من رُواة هٰذا الحدیث من السلف لا من الصحابة ولا من التابعین ۔ وکذا حدیث کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰة یشمل حالة القومة ولم یوثر عن السلف الوضع فی هٰذه الحالة، وکذا حدیث ما أدرکت فصل وما فاتك فاقضه یشمل الذی ادرك الامام فی الرکعة الأخیرة فصلی معه وادرك السجدتین والتشهد ومع ذلك یقضی ما صلی مع الامام بالاجماع وذلك یخالف حدیث ما ادرکت فصل ۔

پھر انہوں نے نماز پڑھانی شروع کی اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے امامت شروع کی، حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی اقتدا کی، اور سب لوگوں نے ابوبکرؓ کی اقتدا کی، گویا دو آدمیوں کی امامت دو تحریمہ سے ہوئی ۔ یہ ہے جس پر حدیث دلالت کرتی ہے اس حدیث کے راویوں میں سے نہ صحابہ نہ تابعین کسی سلف نے اس پر عمل کیا ۔ اسی طرح یہ حدیث کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ قیام میں اپنے سیدھے ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے" اس حالت میں کسی سلف کا ہاتھ رکھنا ثابت نہیں ہے، اسی طرح یہ حدیث "جس شخص نے امام کو اخیر رکعت میں پایا پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی اور دو سجدے اور تشہد ادا کیا اس کے باوجود اس نے جو امام کے ساتھ نماز پڑھی ہے اس کو بالاجماع پورا کرے گا ۔ اور یہ "جو کچھ تم نے امام کے ساتھ نماز پڑھ لی اس کے مخالف ہے"

فإن نظرت فی الأحادیث وجدت کثیراً أن السلف یروی عنھم الأحادیث ویروی عنھم العمل خلاف روایتہ ۔ ومن ھذا الباب ما یُروی عن الإمام مالک وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ وعلہ خلافہ ۔ ولمّا کان الصدر الأول ھُداۃً مھدیین أُمرنا بتقلیدھم فی الدین ففی خلافھم للروایۃ دلیل صریح فی أن الروایۃ فیھا علۃ وبھا لم یعملوا بھا فلذلک جعل السلف من أئمۃ العراق المذکورین عند إختلاف الروایات معیار نقد الروایات عمل السلف الصالحین من علماء الصحابۃ والتابعین الذین کانوا فی خیر القرون وذلک لأن الأمۃ آتیۃ کانوا مأمورین بتقلیدھم فی الدین والشریعۃ بما تلونا علیک من الآیات ولقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی

اگر احادیث پر غور کریں گے تو بکثرت ملے گا، کہ سلف سے حدیث مروی ہے، اور ان کا عمل اس کے خلاف ہے، امام مالکؒ سے جو نماز میں حالتِ قیام کے اندر سیدھے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا مروی ہے، اور عمل اس کے خلاف کرنا ایسا ہی ہے۔ جب صدر اول ہدایت یافتہ قرار دے دیا گیا، اور دین میں ہم ان کی تقلید واتباع کے پابند بنا دیئے گئے، تو جو روایت ان کے عمل کے خلاف ہے، اس سے صراحتہ یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ اس روایت میں کوئی علت وسبب ہے، جس کی بناء پر ان حضرات نے عمل نہیں کیا، اسی وجہ سے قدیم ائمۂ عراق جن کا ذکر گزر چکا ہے روایات کے اختلاف کی حالت میں علماء صحابہؓ اور تابعین میں سلف صالحینؒ جو خیر القرون میں تھے ان کے عمل کو روایات کے پرکھنے کی کسوٹی قرار دیا، وہ اس لئے کہ آنے والے لوگ دین وشریعت مطہرہ میں ان کی تقلید واتباع کے مامور ہیں، جیسے ہم نے آیاتِ قرآنیہ بیان کی ہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان "میرے صحابہ

أَمَنَةٌ لأُمَّتِي" الحديث رواه مسلم ـ ولقوله صلى الله عليه وسلم :
"ما أنا عليه وأصحابي" الحديث رواه الترمذي ـ (مشكوٰة ص۹۰ ج۱)
فصار عمل جماهيرهم من كبار العلماء حجة شرعية من حُجج
الشريعة ، ألا ترى إلى عمل الأئمة في قراءة القرآن وختمه في التراويح
ولم يُرو ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا عن الصحابة
رضي الله عنهم حتى يكون تقريرًا في عهده صلى الله عليه وسلم
وإنما ذلك ثبت بعمل السلف ، وكذا صلوٰة الجماعة في التراويح
كان صلى الله عليه وسلم صلّى بهم ثم تركه ولم يأذن لهم أن
يصلوا بالجماعة فكأنه صار منسوخًا ولم يعهد أيضًا بعد تركه
صلى الله عليه وسلم أنهم صلوا التراويح بالجماعة في عهده صلى الله
عليه وسلم حتى يكون تقريرًا لذلك بل جماعة في التراويح إنما هو

میری امت کے لئے امن کا سبب ہیں"۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد
"میں اور میرے صحابہؓ جس پر ہیں الخ"۔ ان ذی مرتبہ اور ذی وقار علماء کبار کا
عمل شریعت کے دلائل و براہین میں سے ایک شرعی حجت اور دلیل بن گیا۔ کیا تم قرآن
پاک کے پڑھنے اور تراویح میں اس کے ختم پر امت کا عمل نہیں دیکھتے؟ حالانکہ نہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم، نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے تاکہ وہ عہدِ نبوی میں تقریری ہو جاتی
یہ صرف سلف کے عمل سے ثابت ہے، اسی طرح با جماعت تراویح ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے صحابہؓ کو تراویح پڑھائی پھر ترک کر دی اور نہ ان کو با جماعت پڑھنے کی
اجازت دی، تو گویا وہ منسوخ ہی ہو گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
چھوڑ دینے کے بعد صحابہؓ نے بھی اس کا اہتمام نہیں کیا کہ اس کو جماعت کے ساتھ
پڑھتے جس سے حدیث تقریری ہو جاتی، بلکہ با جماعت تراویح پڑھنے کا عمل

عمل السلف رضي الله عنهم فحسب فعملهم حجة شرعية۔
وقد صرح بذلك الأئمة من الفقهاء رحمهم الله تعالى۔

فإذا عرفت أن عمل السلف حجة شرعية تبين لك أن
أئمة العراق المذكورين، وكذا الامام مالك رحمه الله كانوا
تمسكوا بعمل السلف وذلك العمل كان من تعليم ابن مسعود
وعلى وابن عباس وغيرهم من الصحابة رضي الله عنهم۔ و
نقدوا عند اختلاف الروايات بعمل السلف۔

وتبين أيضا أن فقه أئمة العراق هو الذي فرع على تعليم
ابن مسعود رضي الله عنه الذي كان عليه عمل سلف العراق
ووافقه في كثير من المسائل من فتيا علي وابن مسعود رضي الله عنهم وعلمهم

صحابہ سلف صالحین کا عمل ہے، اور ان کا عمل حجت شرعی ہے، ائمہ فقہا نے اس کی
تصریح کر دی ہے،

جب یہ معلوم ہو گیا کہ سلف کا عمل دلیل شرعی ہے تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ ائمہ عراق
جن کا تذکرہ ہوا ہے، اسی طرح امام مالکؒ سلف کے عمل سے دلیل پکڑتے ہیں
اور یہ ابن مسعود، علی، ابن عباس و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ہے، اور انھوں
نے روایات کے اختلاف کی صورت میں سلف کے عمل ہی کو روایات کے پرکھنے
کی کسوٹی مقرر کیا ہے۔

یہ بھی واضح ہو گیا کہ ائمہ عراق کی فقہ جس سے مسائل مستنبط ہوئے ہیں ابن مسعودؓ
کی ہی تعلیم ہے، جس پر عراق کے سلف کا عمل رہا ہے، بہت سے مسائل میں حضرت
علیؓ و ابن مسعودؓ کے فتوے اور عمل ایک دوسرے کے موافق و مطابق ہیں۔

ويقرب من فقه العراق فقه الامام مالك رحمه الله تعالى لان معيار نقد الروايات عند الاختلاف فيها عنده أيضا عمل أهل المدينة ولذلك يوافق فقه مالك فقه أئمة العراق إلا في قليل من المسائل۔

فهٰذا هو فقه أئمة العراق والحجاز الذى كان عليه أئمة الأمصار من العلماء الذين كانوا في أوائل القرن الثانى وهو المائة الثانية من الهجرة النبوية على صاحبها التحية۔

وأما فقه المتأخرين الذين كانوا ظهروا بعد القدماء في آخر المائة الثانية وأوائل المائة الثالثة وهٰذا ما تقادم الزمان وتوفى التابعون ومن عاصرهم من تبعهم من الأئمة، وغاب عمل هذه الطبقة عن المشاهدة ونشأ الأئمة الذين

اور ائمہ عراق کی فقہ کے قریب قریب امام مالک رحمہ اللہ کی فقہ ہے۔ کیوں کہ روایات کے اختلاف کی صورت میں ان کے نزدیک بھی اہل مدینہ کا عمل دلیل وحجت ہے، اسی لئے امام مالکؒ کی فقہ ائمہ عراق کی فقہ سے سوائے چند مسائل کے قریب تر ہے۔

یہی وہ ائمہ عراق وحجاز کی فقہ ہے جس پر مملکتِ اسلامیہ کے ائمہ قرن ثانی کے اوائل کا عمل رہا ہے جو ہجرۃ نبوی کی دوسری صدی تھی

لیکن متأخرین کی فقہ جو متقدمین کے بعد دوسری صدی کے شروع میں ظاہر ہوئے جس میں تابعین اٹھ چکے تھے، اور ان کے معاصر ائمہ تبع تابعین بھی جا چکے تھے اور اس طبقہ کا عمل ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا وہ ائمہ ظہور پذیر ہوئے

لم يشاهدوا العمل ، وإنما بلغهم اختلاف الروايات باختلاف كثير لجأوا إلى نقد الروايات بالرواة ، ولذلك وضعوا الكلام في الرواة من تعديلهم وتوثيقهم وجرحهم وتضعيفهم وقد سمي هذا الكلام والبحث عنه بأسماء الرجال ۔ فعملوا بروايات عن قواعد الة الرواة بمعيار اسماء الرجال فهذا هو معيار الأئمة المتأخرين لنقد الروايات ولا يخفى على من طالع كتب أسماء الرجال ان من الرواة من هو عادل عند إمام وغير عادل عند آخر كابن اسحاق ، فانه قال مالك رحمه الله تعالى إنه دجال لا يجوز الرواية عنه وأما عند البخاري رحمه الله تعالى وغيره هو ثقة رووا عنه وصححوا رواياته ۔

جنہوں نے عمل دیکھا ہی نہیں تھا۔ ان کو صرف روایات انتہائی اختلاف کے ساتھ پہنچیں، تو انہوں نے روایات کے پرکھنے کی کسوٹی راویانِ حدیث کو مقرر کیا۔ اس کے لئے انہوں نے رواۃ کی تعدیل، توثیق، جرح اور تضعیف میں کلام و گفتگو کرنے کا ضابطہ و قاعدہ مقرر کیا۔ اور اس بحث و تمحیص کا نام اسماء الرجال رکھا۔ پس ان حضرات نے اُن روایات کو قابلِ عمل سمجھا جن راویانِ حدیث کی عدالت اسماء الرجال کے معیار سے جانچی اور پہچانی گئی ۔ اور یہی ائمہ متاخرین کے روایات کے پرکھنے کا معیار قرار پایا۔ یہ بات جس نے اسماء الرجال کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، اس پر پوشیدہ نہیں ہے، کہ راویانِ حدیث میں سے ایک راوی ایک امام کے نزدیک عادل ہے، دوسرے امام کے نزدیک عادل نہیں ہے، جیسے ابن اسحق کہ امام مالکؒ انکو دجال کہتے ہیں، ان سے روایت کرنا جائز نہیں سمجھتے، مگر امام بخاریؒ وغیرہ کے نزدیک وہ ثقہ ہیں، انھوں نے ان سے روایت کی ہے اور ان کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

منشأ الاختلاف

وذلك لأن الأصل فى الجرح والتعديل قول من عاصر الراوى لا من بعده لأنه لا سبيل لمعرفته من يعاصره ولا ريب فى أن من المعاصرين من عرف عدالة الراوى بظاهر حاله وخفى عليه ما يخالف عدالته وقد عرف بجرح هذا الراوى غير هذا المعاصر من المعاصرين فظهر الجرح فى الراوى بقول معاصر آخر فاختلفت الأقوال للمعاصرين فى الجرح والتعديل ولذلك وضعوا ضابطاً أن الجرح مقدم على التعديل والغرض أن هذا المعيار هو الذى نشاء منه الاختلاف بين الفقهين فقه المتقدمين و

اختلاف کا منشأ

یہ اس وجہ سے کہ جرح وتعدیل میں اصل قول اس شخص کا ہے، جس نے راوی کا زمانہ پایا ہے اور اس کا ہمعصر ہے راوی کے بعد کا آدمی نہیں ہے، کیونکہ اپنے معاصر کی معرفت کا کوئی طریقہ نہیں ہے، اور اس میں شک نہیں کہ معاصرین میں سے جو راوی عدالت پہچانتا ہے وہ اس کی ظاہری حالت کے اعتبار سے ہے، اور جو اس کی عدالت کے خلاف ہے وہ اس پر پوشیدہ ہے، اور اس راوی کی جرح اس کے دوسرے معاصر سے معلوم ہوئی، تو راوی پر جرح دوسرے ہمعصر سے ظاہر ہوئی، پس جرح وتعدیل کے بارے میں معاصرین کے اقوال مختلف ہو گئے، ایک نے کہا عادل ہے دوسرے نے کہا عادل نہیں ہے، اسی بناء پر انھوں نے اصول مقرر کیا کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے، الغرض یہی وہ معیار ہے، جس سے فقہاء متقدمین اور ....

فقه المتأخرين فإن المتأخرين اطلعوا على روايات زعموا أن رواتها ذووا عدل ورفضوا روايات أخرى تضاد روايات المتأخرين وقد كانت هذه الروايات الأخرى صحيحة برواة كانوا عادلين بزعم المتقدمين ثم مع ذلك وإن كانت هذه الروايات التي عمل به الفقهاء المتقدمون. وان سلمت انها برواة ضعفاء فقد صححوا عمل الصدر الأول جماهيرهم وهذا ضابط من ضوابط الاصول أن الرواية الضعيفة يصححها العمل.

نظير لطيف لأهل السُّنّة

هذا من المعلوم من الكتب العقائد الإسلامية قطعاً لاشك فيه وهو أن العقائد الاسلامية مدونة في الكتب على وجهين،

فقہاء متأخرین میں اختلاف پیدا ہوا۔ کیونکہ متأخرین جن روایات سے واقف ہوئے، اور ان کے بارے میں ان کا خیال ہوا کہ ان کے رُواۃ عادل ہیں ان کو اختیار کرلیا۔ اور دوسری روایات جو متأخرین کی روایات کے مخالف ومتضاد تھیں ان کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ یہ دوسری روایات متقدمین کے نزدیک راویانِ عادل سے مروی تھیں، پھر اس کے ساتھ وہ روایات جن پر فقہاء متقدمین نے عمل کیا اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ ضعیف راویوں سے مروی ہیں مگر صدر اول کے معزز وممتاز صحابہ وتابعین کے عمل نے اس کو صحیح قرار دیدیا اور اصول کے ضابطوں میں سے ایک ضابطہ یہ ہے کہ ضعیف روایت کو عمل صحیح کردیتا ہے

اہل سنت کے لئے عمدہ مثالیں

عقائد اسلامیہ کی کتابوں سے جن میں قطعاً شک نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی

وجه على مسلك السلف و وجه على مسلك الخلف ولكل وجهة هُوَ مُوَلِّيهَا۔ فمنهم من رجّح الأول ومنهم من رجّح الثاني بوجه

ثم بعد ذلك من شاء نظر في هذا الباب وفكر في الوجهين فليختر وجهاً من الوجهين حيث أدّى إليه نظره وفكره فكذلك الفرق بين الفقهين المذكورين فقه السلف وفقه الخلف فالأول معياره عمل الصدر الأول، والثاني معياره الكلام في الرواة من جرح وتعديل۔ ومن وسع نظره في كتب اسماء الرجال وجد فيها العجائب من أن من الرواة من هو عمود من عمائد الدين، وأقوال الجرح فيه في كتب اسماء الرجال

عقائد، کتابوں میں دو طریقے سے مدوّن ہوئے ہیں، ایک سلف کے مسلک وطریقہ پر، دوسرے خلف کے مسلک ومذہب پر، اور ہر ایک کے لئے .... وہی طریقہ ہے جو اس نے اختیار کیا، ان میں سے بعض نے اول کو ترجیح دی اور راجح قرار دیا ہے اور بعض نے دوسرے کو ترجیح دی اور راجح ٹھہرایا ہے۔

پھر اس کے بعد جس نے چاہا اس باب پر نظر ڈالی اور دونوں طریقوں پر غور کیا تو اس نے دونوں میں سے کسی ایک طریقے کو اختیار کر لیا جہاں اس کی نظر ٹھہری اور فکر رسا ہوئی، یہی دونوں مذکورہ فقہ، یعنی فقہ متقدمین اور فقہ متاخرین کا فرق ہے۔ اول کا معیار صدرِ اول کا عمل ہے، دوسرے کا معیار راویانِ حدیث میں جرح وتعدیل کے اعتبار سے ہے۔ اسماء رجال کی کتابوں پر جس کی نظر وسیع تر ہوگی اس نے ان میں عجیب عجیب باتیں پائی ہوں گی۔ ان راویانِ حدیث کے متعلق جو دین کا ستون تسلیم کئے گئے ہیں اسماء رجال کی کتابوں میں جرح کے اقوال موجود ہیں۔

إن رأيتها كأنه يُخرب الدين كأنه كان نظيرا بـ عبد الله بن سبا في تخريب دين الإسلام وكذلك من الرواة من كان عدوّا لدين الإسلام من الغالين في الإعتزال محترقين بالتشيع والرفض و البدعة الخبيثة ومع ذلك فهو ناقل للروايات في الدين ومع ذلك فقد صححوا رواياته۔

فمن تحرّى في هذا الباب ونظر في الفرق بين المعيارين على السلف و اخبار الرُواة فليتمذهب بمذهب ادّى إليه نظره وتفقّه من المذهبين ورجحه نظره وفقهه۔

القول الجامع

فالجامع في هذا الباب أن الشريعة يشتمل العقائد والأحكام

اگر تم ان کتابوں کو پڑھو گے تو تمہیں پتہ چلے گا گویا دین برباد کیا جا رہا ہے جس طرح دین کے برباد و خراب کرنے میں عبداللہ بن سبا کی مثال، اسی طرح وہ رواۃ جو اسلام کے دشمن تھے جیسے غالی معتزلی سخت قسم کے شیعہ و رافضی، اور خبیث بدعتی، اس کے باوجود بھی وہ دین کی روایات کے ناقل ہیں اور طرفہ یہ کہ ان کی روایتوں کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

پس جس نے اس باب میں تدبر و تفکر کیا نظر فارڈالی سلف صالحین کے عمل اور روایات کے حالات و واقعات سے آگاہی حاصل کی دونوں کے مابین معیار میں فرق کو محسوس کیا تو اس نے وہی مذہب و مسلک اختیار کر لیا جس پر اس کی نظر جمی اور دونوں فقہ میں سے جس فقہ کو اس کی نظر نے ترجیح دی اور فہم نے صحیح جانا اختیار کیا۔

قولِ جامع

اس باب میں قولِ جامع یہی ہے کہ شریعت عقائد و احکام پر مشتمل ہے۔

ويجري في العقائد أحكام التعامل أيضًا لقوله سبحانه فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ كما عرفت في ما قبلُ۔

ثم اعلم أن الإجماع والتعامل والتوارث وإن كانت في نفس مفاهيمها متباينة في الجملة ولكنها بحسب مصادقها متساوية النسبة۔ فما أجمع عليه السلف وتوارث إلينا عقائدهم وأعمالهم يقال له التوارث والتعامل أيضًا وهو المعنى في قوله عليه السلام يحمل هذا العلم الحديث كما مرّ وهو المراد في قوله صلى الله عليه وسلم لا يزال طائفة، الحديث

فالضابطة في هذا الباب أن ما أجمع عليه السلف اعتقادًا

اور عقائد میں تعامل ہی کے احکام جاری ہوتے ہیں، جیسے فمن یعمل الخ جو آپ پہلے ہی معلوم کر چکے ہیں۔

پھر اچھی طرح سمجھ لیں کہ اجماع، تعامل اور توارث اگرچہ اپنے مفہوم و معانی کے اعتبار سے فی الجملہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، لیکن اپنے مصداق کے اعتبار سے متساوی النسبۃ ہیں۔ پس جس پر سلف صالحین نے اجماع کر لیا اور ان کے عقائد و اعمال ہم تک یکے بعد دیگرے برابر و مسلسل چلے آئے، اسی کو توارث و تعامل بھی کہا جاتا ہے اور یہی معنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان "یحمل ھٰذا العلم" الحدیث کے ہیں جیسا کہ گذرا، اور یہی مراد آپ کے فرمان "لا یزال طائفۃ" کی ہے۔

پس اس باب میں ضابطہ یہ ٹھہرا کہ جس پر سلف صالحین نے اعتقادًا

أو عملاً بالأركان كالحج والصلوٰة والصوم من العبادات البدنية والمالية هو حجة لنا شرعية وجب علينا تقليده فإجماعهم دليل على أنه ثبت عندهم مأخذ هٰذا الإجماع أو التوارث أو التعامل ولم يسع لنا أن نبحث فيه أنهم من أين أخذوا هٰذا الإجماع بل علينا تقليدهم في هٰذه المسئلة فحسب كما ثبت في الأصول في مقرّه۔

ألا ترى أن المصحف العثمانی الذی تداول فی أيدی الأمة قد قبلته الأمة بلا نكير وذلك لأن إجماع السلف على المصحف المذكور دليل على أنه قد ثبت عندهم من الشارع مأخذه وإن لم نعلمه مع أنه لم يُرْوَ حديث لا صحيح ولا ضعيف

یا عملاً ارکان میں مثلاً حج، نماز، روزہ، زکوٰۃ جو عبادات بدنیہ اور مالیہ ہیں اجماع کرلیا وہ ہمارے واسطے حجت شرعی ہے اس کی تقلید ہم پر فرض ہے۔ پس ان کا اجماع اس بات پر دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس اجماع یا توارث یا تعامل کا ماخذ ثابت ہوچکا ہے اور ہم میں سے کسی کو روا نہیں کہ ہم اس میں بحث کریں کہ انہوں نے اس اجماع کو کہاں سے اخذ کیا، بلکہ ہم پر اس مسئلہ میں ان کی تقلید فرض ہے، یہی کافی ہے جیسا کہ اصول میں اپنے مقام پر ثابت ہوچکا ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ مصحف عثمانی جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں ہے اور امت نے اس کو بلا انکار قبول کر رکھا ہے، وہ اسی وجہ سے ہے کہ مصحف مذکور پر سلف کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ شارع علیہ السلام سے ان کے نزدیک اس کا ماخذ ثابت ہوچکا ہے اور اگر ہم اس وجہ سے اس پر عمل نہ کریں کہ وہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح نہ ضعیف

عنه عليه السلام أن المصحف العثمانية بتفصيله من السور والآيات قد نزل علىّ ۔ فإجماعهم هذا دليل على أن الإجماع توقيفيّ من الشارع ولذلك لا يجوز البحث فيه لإجماع السلف عليه ونظيره فى هذا الباب اذان ابن مكتوم رضى الله عنه قبل الفجر كما وَرَدَ فى الأحاديث الصحيحة ولكن السلف قد هجروا لعلةٍ كانت فى صدورهم وان لم نقف عليها وكذا اذان الزوراء ولم يرد فيه سنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا عن عثمان رضى الله عنه وتلقّته سائر السلف بقبول كأنهم أجمعوا عليه ۔ وأيضاً نظيره التعامل بعد الفراغ من صلوٰة الجمعة فى عدم الانتشار مع أنه مخالف لمفهوم نص القرآن

کسی بھی حدیث سے یہ مروی نہیں ہے کہ مصحفِ عثمانی ان سورہ وآیات کی تفصیل سے مجھ پر اترا ہے ، بس ان کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے اجماع توقیفی ہے اسی لئے سلفِ صالحین کے اجماع کے سبب اس پر بحث کرنا جائز نہیں ہے ۔ اس کی اور مثال اس بارے میں ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کی فجر سے پہلے اذان ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے لیکن سلف صالحین نے اس کو کسی سبب وعلت کی بنا پر جو ان کے عہد میں تھی ناجائز قرار دیا ہے گو ہم اس سے ناواقف ہیں ، اسی طرح زوراء کی اذان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی حدیث مروی نہیں ہے سوائے اس کے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بیان کیا اور تمام سلف صالحین نے اس کو قبول وتسلیم کر لیا ، گویا ان کا اس پر اجماع ہو گیا ۔ نیز اس کی مثال نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد منتشر نہ ہونا ہے باوجودیکہ وہ نصِ قرآنی " فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا " کے مفہوم

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا " فعمل الأمة بعدم الانتشار لمشروع ومفسر للقرآن ومفهوم القرآن غير مشروع وكذا أيضا عدم الاصطياد بعد التحليل من الاحرام مع أنه مخالف لقوله تعالى : " وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا " فالتعامل فيه أيضا مفسر لمعنى القرآن وإن خالف ظاهره ۔ ونظيره أيضا عدم جواز صلاة النوافل في المصلى وإن لم ينص فيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فالتعامل فيه كأنه نص عنه صلى الله عليه وسلم فقد عرفت أن عمل السلف واجماعهم طردا وعكسا أعني نفيا وإثباتا دليل على أن المأخذ قد ثبت عندهم عن الشارع عليه السلام فيجب علينا تقليدهم فالتعامل الذي

کے خلاف ہے، پس امت کا عمل منتشر نہ ہونا مشروع ہے اور قرآن مفسر ہے، اور مفہوم قرآن مشروع نہیں ہے۔ نیز اسی طرح احرام کھول کر شکار حلال ہو جانے کے بعد بھی شکار نہ کرنا ہے، حالانکہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا " جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو " اس میں بھی تعامل قرآن کے معنی کا مفسر اور بیان کرنے والا ہے، اگرچہ اس کے ظاہر کے خلاف ہے۔
اس کی اور مثال عید گاہ میں نوافل کا نہ پڑھنا بھی ہے گو اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص وارد نہیں ہوئی ہے، پس اس پر عمل گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص ہے۔
یقیناً تم نے جان لیا ہوگا کہ سلف کا عمل اور ان کا اجماع خواہ اقرار کی شکل میں ہو یا انکار کی صورت میں اس بات کی دلیل ہے کہ شارع علیہ السلام سے اس کا ماخذ ثابت ہو چکا ہے اور ہم پر ان کی تقلید و اتباع فرض ہے۔ پس تعامل جو

ثبت عن السلف رحمهم الله تعالی کأنه نصّ عنه علیه السلام والمفید للقطعیة۔

والضابط الثانی أن ما أجمع علیه السلف لم یختلف فیه الأئمة من المجتهدین لا من الحنفیة ولا من الشافعیة ولا من الحنابلة ولا من المالکیة رضی الله عنهم، وإنما اختلفوا فی ما ورد فیه الاختلاف عن السلف عملاً وما لم یرو فیه الاختلاف فلم یختلف الأئمة قط۔ ویعرف ذلك من له عنایة إلی مذاهب الأئمة وتفاصیلها۔ ولا یشذ من هذه الضابطة شیئ من مسائل أئمة المذاهب۔ فاتفاق الأئمة علی شیئ من المسائل الفقهیة

سلف رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے گویا اس پر شارع علیہ السلام کی نص ہے اور قطعیت کا فائدہ دیتی ہے۔

دوسرا قاعدہ وضابطہ ہے جس پر سلف نے اجماع کرلیا، اس میں ائمہ مجتہدین میں نہ حنفیہ، نہ شافعیہ، نہ حنابلہ، نہ مالکیہ رضی اللہ عنہم کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ ان حضرات کا آپس میں جو اختلاف ہے وہ صرف سلف کے عمل کے باہم اختلاف کے وارد ہونے میں ہے اور جس بات میں سلف کے عمل میں اختلاف مروی نہیں اس میں ہرگز ائمہ میں اختلاف نہیں ہے، جس شخص کو ائمہ کے مذاہب سے اور اس کی تفصیلات سے شغل رہا ہے، وہ اس کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ائمہ مذاہب کا کوئی مسئلہ اس قاعدہ اور ضابطہ سے باہر نہیں جاتا۔ پس کسی فقہی حکم میں ائمہ کا اتفاق ....

دلیل صریح علی أن عمل السلف الاتفاق والاختلاف حجۃ عندھم۔

ثم ماورد الاختلاف عن السلف نفیاً أو إثباتاً فالشقاق فیہ علی وجہ ثالث خرق الاجماع کما فی الاصول ونظیر ذلک قرأۃ الفاتحۃ فی الصلوٰۃ فالاختلاف فیہ فی الصلوٰۃ، فان ادعی أحد لاصلوۃ إلا بفاتحۃ الکتاب شرط فیہ کلاصلوۃ إلا بالطہور أعنی خارج الصلوٰۃ، فھذا خرق الاجماع ثم اعلم أن التعامل الذی نشاھدہ فی زماننا إذا ارتقیٰ سلسلتہ إلی زمان السلف رحمھم اللہ تعالیٰ فھو المعتبر وفیہ البحث الذی ذکرناہ مفصلاً وان لم یرتق فلا یُعتبر ولا یدخل تحت بحثنا الذی

اس بات کی صریح دلیل ہے کہ سلف کا عمل خواہ اس میں اتفاق ہو یا اختلاف ان کے نزدیک حجت ہے،

پھر نفی یا اثبات میں سلف کا باہم جو اختلاف ہے اس کی تیسری صورت اجماع کا ٹوٹنا ہے جیسا کہ اصول میں ہے اور اس کی مثال نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہے۔ اس میں نماز کے ہونے میں اختلاف ہے، ایک کا دعویٰ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا شرط ہے بغیر فاتحہ نماز نہیں ہوتی جس طرح نماز بغیر طہارت نہیں ہوتی ہے، یعنی خارج صلوٰۃ ہے، یہ دراصل اجماع کا ٹوٹنا ہے۔ پس تم جان لو کہ تعامل جس کو اپنے زمانے میں دیکھ رہے ہیں جب اس کا سلسلہ سلف رحمہم اللہ تک پہنچ جائے تو وہ معتبر ہے اور اسی میں یہ ساری بحث ہے جس کو ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن اگر اس کا سلسلہ سلف تک نہ پہنچے تو وہ معتبر نہیں ہے اور ہماری بحث سے بھی خارج ہے جس کو ....

فصلناه فی ما سبق کتعامل البدعات التی حدثت بعد زمان السلف وتمل بها أهلها.

ثم اعلم أن ما توارث فی الإسلام من العقائد والاحکام الضروریة أو ما أجمع علیه منها أو تعامل علیه منهما فهو متواتر من السلف إلی یومنا هٰذا ولا یحتاج فیه للثبوت إلی الروایات أما ما تحادث بعد القرون فلا یرتقی سلسلة إلی السلف، و نظیره مسئلة المسح فی الوضوء من غیر الخفین فإن ذلك حدث بعد القرون الثلاثة ولم یوثر فی القرون الثلاثة لا عن النبی صلی اللہ علیه وسلم ولا عن الصحابة ولا عن

ہم نے پیشتر بالتفصیل بیان کیا ہے جیسے ان بدعات پر تعامل جو سلف صالحین کے عہد کے بعد وجود پذیر ہوئیں اور لوگوں نے انہیں اپنا بھی لیا ہے۔

پس جاننا چاہئے کہ اسلام کے وہ ضروری عقائد واحکام جو توارثاً ہمیں ملے ہیں یا جس پر اجماع کر لیا گیا ہے یا جس پر تعامل رہا ہے اور سلف سے آج تک متواتر چلے آرہے ہیں ان میں روایات کے ثبوت کی حاجت نہیں ہے، لیکن وہ جو خیر القرون کے بعد وجود میں آئے اور اس کا سلسلہ سلف تک نہیں پہنچتا ہے، جس کی مثال وضوء میں بغیر موزے کے مسح کرنا ہے یقیناً یہ تیسرے قرن کے بعد وجود میں آیا ہے اور تیسرے قرن میں بھی متواتر نہیں ہوا، پھر نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے، نہ صحابہ سے، نہ ان کے علاوہ ....

غيرهم فلا يرتقي سلسلة إلى خير القرون، فإن من شرط المتواتر أن لا يخلو طبقة من الطبقات السالفة من القرون وكل ما تواتر فهو ما أثر عن السلف أيضاً مع أن في المسئلة المذكورة نص القرآن خلاف العمل أعني "فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ" بكلا القرائتين النصب والجر من المتواترات السبعة ولكنه ليس عمل أهل السُّنّة على المسح كما يقتضيه، فأحد القرائتين متروكة عند أهلها لأن حدوث المسح من غير خف حدث بعد القرون المذكورة - فلا يقال أنه خلاف القرآن فكأن التعامل مُظهر لناسخ القرآن -

تابعین سے، اس کا سلسلہ خیر القرون تک پہنچتا ہی نہیں ہے - اور تواتر کی یہ شرط ہے کہ کوئی طبقہ قرونِ سابقہ کے طبقات سے خالی نہ ہو، اور ہر وہ جو متواتر ہے یعنی ہر زمانے میں اس کا وجود رہا ہو، وہ سلف سے بھی مروی ہے حالانکہ اس مسئلہ میں عمل کے خلاف نصِ قرآنی موجود ہے یعنی فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ - قرأتِ سبعہ میں سے دونوں قرأتیں ہیں، نصب کے ساتھ بھی اور جر کے ساتھ بھی، لیکن اہل سنت کا مسح پر عمل نہیں ہے جیسا کہ اس کا تقاضا ہے، تو اہل سنت کے نزدیک ایک قرأت متروک ہے کیونکہ بغیر موزے مسح تیسرے قرن کے بعد وجود پذیر ہوا ہے[1] اب اس کو یہ نہیں کہا جائیگا کہ یہ قرآن کے خلاف ہے، گویا تعامل ظاہر کرتا ہے کہ یہ عمل قرآن کا ناسخ ہے۔ تمت

ابو العلاء محمد عبد العلیم ندوی

۵ ذی الحجہ ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۸۶ء

---

[1] اسی طرح إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا کا ناسخ "جمع بین الصلوتین" ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے آج تک عرفات اور مزدلفہ میں دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کیا جاتا ہے، حالانکہ قرآن کا فرمانا تو ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا ہے۔